(غلام گردش)

سیاست نہیں معیشت؟

اوڈلف ہٹلر تاریخ کا ایک محیرالعقول کردار ہے۔ وقت کا سب سے زیادہ نفرت زدہ انسان۔ دوسری جنگِ عظیم نے پوری دنیا کی سرحدوں کو تبدیل کر ڈالا۔ ہمارے جیسے نئے ممالک وجود میں آنے کا جواز بھی جنگ کے نتائج کی بنا پر ہوا۔ ہٹلر نے پورے یورپ کو روند کر رکھ ڈالا۔ ذرا اندازہ لگایئے کہ جرمنی نے صرف یورپ میں پولینڈ، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، گریس، یوگوسلادیہ اور فرانس پر قبضہ کرلیا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ یورپ، دوسری جنگِ عظیم سے پہلے بھی حددرجہ اندورنی خلفشار کا شکار تھا۔ ریاستوں کی باہمی جنگیں، رقابتیں اور بدامنی عروج پر تھی۔ ہٹلر نے تمام یورپین ریاستوں کو ایسا سبق سکھایا جو شائد پہلے ممکن نہ تھا۔ فرانس کے دو صوبے Lorvaine اور Alsace, 1870 سے جرمنی کے قبضہ میں تھے۔ دونوں ممالک کے درمیان نفرت بہت زیادہ تھی۔ فرانس نے یہ علاقے پہلی جنگِ عظیم کے بعد تھوڑی مدت کیلئے حاصل کر لیے تھے۔ دونوں قوتوں کی رنجش بہرحال برقرار رہی تھی۔ حددرجہ مختصر تناظر میں دیکھیے تو یہ ممالک صدیوں سے برسرِ پیکار تھے۔ 1940 میں جرمن افواج کا طاقت کے بَل بوتے پر فرانس پر قبضہ اسی تاریخی کج روی کا ایک عملی مظاہرہ تھا۔ ہٹلر دوسری جنگِ عظیم میں بری طرح ہار گیا۔ مگر دنیا کو تبدیل کر گیا۔ یہ سب کچھ سکہ کا صرف ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ ایسا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ جرمنی، فرانس اور دیگر یورپین ممالک نے تاریخی بربادی کے بعد ایک ایسا نایاب فیصلہ کیا جس سے ترقی کے دروازے ان پر کھل گئے۔ مسلسل مارکٹائی اور جنگ وجدل کے بعد ان ممالک نے آپس میں تجارت شروع کردی۔ یورپین یونین بننے سے بہت پہلے یہ تمام ممالک بھرپور طریقے سے ایک دوسرے کی مالی منفعت میں شریک ہو چکے تھے۔ یورپین یونین بننے کے بعد تو خیر اب یہ دنیا کا سب سے بڑا اور منظّم اقتصادی بلاک بن چکا ہے۔ مگر رُکیے۔ سوچیے، فرانس اور جرمنی، تو ایک دوسرے کے زبردست متحارب فریق تھے۔ آج یہ کیسے معاملات بہترین طریقے سے طے کر رہے ہیں۔ یقین فرمایئے۔ حددرجہ حیرت ہوتی ہے۔ صرف جرمنی اور فرانس کی باہمی تجارت سینکڑوں بلین ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ جہازوں سے لیکر دوائیاں اور گاڑیوں سے لیکر بڑی مشینوں تک، ہر چیز میں ایک دوسرے پر تجارتی انحصار ہے۔ یہ اَمر بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ دونوں اقوام کے درمیان تاریخی رقابت آج بھی پسِ منظر میں موجود ہے۔ دونوں ممالک کے شہری ایک دوسرے سے تجارت ضرور کر رہے ہیں مگر اپنے قومی مفادات پر بھرپور پہرا بھی دے رہے ہیں۔ فرانس اور جرمنی ایک دوسرے سے ناپسندیدگی کے باوجود دوسری جنگِ عظیم کے بعد جدید دنیا میں رہنا سیکھ چکے ہیں۔ باہمی امن کی اہمیت کو بھی جان چکے ہیں۔ آج ان تمام ممالک کی پوری عسکری طاقت حددرجہ جدید اور مضبوط ہے۔ مگر یہی قوت جنگ کی نہیں بلکہ امن کی محافظ ہے۔

یورپ کی باہمی چپقلش اور بالخصوص جرمنی اور فرانس کی ایک دوسرے کے خلاف تاریخی یورش، برصغیر کے معاملات کو سمجھنے اور حل کرنے میں شائد مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ پاکستان اور ہندوستان ایک طرح کے سیاسی حالات میں معرضِ وجود میں آئے۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ پہلے دن سے ہندوستان نے ہمارے ملک کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اس اَمر کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ کانگریس کے صفِ اول

کے سیاستدان ہروقت کہتے رہتے تھے کہ بٹوارہ حددرجہ غیرفطری ہے اورقلیل مدت میں پاکستان ختم ہوکردوبارہ ہندوستان سے مل جائیگا۔یہی کیفیت مقامی لوگوں کی بھی تھی۔ایک دوسرے کے علاقوں میں ہجرت کرنے والے لوگ مقامی لوگوں کوکہا کرتے تھے کہ بس تھوڑے عرصے کی بات ہے۔واپس آکراپنی جائیدادکوسنبھال لینگے۔بھارت کی حکومتی سطح پر پاکستان کیلئے ہرطرح کی مشکلات کھڑی کی گئیں۔یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دونوں ممالک کی اعلیٰ ترین سیاسی قیادت،شروع ہی سے ایک دوسرے سے رابطے میں رہتی ہے۔مثال کے طور پر1953 میں ہندوستانی وزیراعظم،جواہرلال نہروسرکاری دورے پر پاکستان آیا تھا۔بالکل اسی طرح1955 میں،انڈین ریپبلک ڈے پریڈ پرمہمانِ خصوصی پاکستان کے گورنرجنرل غلام محمد تھا۔1960 میں جواہرلال نہرو،انڈس بیسن معائدے پردستخط کرنے کیلئے خودآیا تھا۔کراچی کے علاوہ،لاہور،نتھیاگلی اورمری میں بھی قیام پذیر رہا۔راجیوگاندھی،اٹل بہاری واجپائی اورنریندرمودی،یہ تمام وزراءاعظم سرکاری سطح پر پاکستان آتے رہے ہیں۔ماضی قریب کی گزارش کرونگا۔جنرل پرویزمشرف بطورصدر پاکستان 2001 میں آگرہ گیا تھااوردوبارہ2005 میں دہلی کا دورہ کیا تھا۔جنرل پرویزمشرف نے16اپریل2005 میں وزیراعظم منموہن سنگھ کی جانب سے دیے گئے عشائیہ میں کہا تھا کہ ’’عام لوگوں کی خواہشات نے دونوں حکومتوں پرحددرجہ اثر کیا ہے۔اب پائیدارامن کے عمل کوکوئی طاقت بھی ختم نہیں کرسکتی‘‘۔یوسف رضا گیلانی،صدرزرداری اورنوازشریف بھی اپنے اپنے ادوار میں ہندوستان گئے تھے۔حالیہ دنوں میں جنرل قمرباجوہ نے تقریباًوہی الفاظ دہرائے ہیں جو پاکستان کے مختلف وزراءاعظم اورصدورماضی میں کہتے رہے ہیں۔یہ حددرجہ مدبرانہ اورحقیقت پسندرویہ ہے۔اسلام آباد میں حالیہ منعقدنیشنل سیکیورٹی کی ایک مجلس میں موجودہ چیف آف آرمی سٹاف کی جانب سے امن اورباہمی چپقلش کے المناک ماضی کودفن کرکے آگے بڑھنے کی بات ہوئی ہے۔اس اہم تقریر سے دونوں ملکوں میں امن پسندلوگوں کوایک اُمیدضرور بندھ گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ملکر چلنے کی کوشش ضرور کرینگے۔یہ خواہش ہرگز ہرگز غیرمعمولی نہیں ہے۔بلکہ ہمارے ہرسیاستدان نے اعلیٰ ترین سطح پرامن کی بات ضرورکی ہے اورتقریباًیہی معاملہ انڈیا کی طرف سے دیکھنے میں آیا ہے۔

مگرصرف خواہشات سے امن قائم نہیں ہوسکتا۔مسئلہ یہ ہے کہ دونوں ممالک نے گزشتہ چنددہائیوں میں کئی تنازعات پراتنی جذباتیت پیداکردی ہے کہ اس منجمدنکتے سے واپسی دونوں ممالک کی قیادت کیلئے حددرجہ مشکل ہے۔مگریہ اَمرناممکن بھی نہیں ہے۔سرِفہرست کشمیرکامسئلہ ہے۔طالبعلم کی دانست میں یہ مسئلہ دونوں ملکوں کے امن کیلئے حددرجہ مشکل نکتہ ہے۔کشمیر پرہمارا موقف اُصولی،قانونی اورجمہوری ہے۔تاریخی تناظرمیں جائے بغیراگردیکھاجائے توپاکستان،کشمیرکے مقامی لوگوں کی واحداورآخری اُمید ہے۔اس حساس موقع پرہمیں کشمیری عوام کے ساتھ ضرور کھڑے رہنا چاہیے۔مگرمعروضی حالات میں اپنے قومی مفادات کی روشنی میں نظرڈالیں تومعاملہ ایک مختلف سمت سے بھی دیکھاجاسکتا ہے۔وہ یہ کہ ہم بھارت کے ساتھ تجارتی،اقتصادی،سماجی تعلقات کوبھرپورطریقے سے بڑھاوادیں اورسفارتی سطح پرکشمیرکامقدمہ پیش کرتے رہیں۔یہ کہنا،کہ پہلے اس مسئلہ یعنی کشمیرکوحل کیا جائے،اسے نریندرمودی کی چیرہ دستیوں سے آزادکروایاجائے اورپھرباہمی کاروبارکی طرف جائینگے۔اس پرہمارے ملک میں دوآراء

موجود ہیں۔کیا تجارت کو اس وقت تک روکے رکھنا چاہیے جب تک آئیڈیل حالات نہ ہو جائیں۔ایسا ممکن نہیں ہے۔آئیڈیل حالات کم ازکم اس عملی دنیا میں برپا ہونا تقریباً ناممکن ہیں۔کوشش ضرور کرنی چاہیے۔مگر اپنے ملکی مفادات کو داؤ پر لگانا دانشمندی والی بات نظر نہیں آتی۔اس میں کوئی حرج نہیں کہ پاکستان ایک تجارتی طویل المدت منصوبہ بنائے۔اسے پارلیمنٹ میں تمام سیاسی جماعتوں کے ساتھ کھلے دل سے زیرِ بحث لایا جائے۔یہاں تک عرض کرونگا کہ ریاستی اداروں کو بھی اس اقتصادی منصوبے کے معاملے میں گفت وشنید میں شامل کیا جائے۔یہ منصوبہ صرف ہندوستان تک محدود نہ ہو۔بلکہ اس میں وسطی ایشیاء،یورپ،افریقہ اور دیگر مارکیٹیں شامل ہونی چاہییں۔ہندوستان کے ساتھ باہمی تجارت اس میں بہرطور شامل ہونی چاہیے۔اس منصوبہ کو عوامی تائید کے ساتھ نافذالعمل کرنا چاہیے۔دو چار سال میں اسکے ثمرات یا نقصانات پرکھ کر ہم اسے دوبارہ معروضی حالات کے مطابق تبدیل کر سکتے ہیں۔حقیقت پسندانہ رویے سے معاملات کو اَبتری سے بچانا ہی ہماری بہترین حکمتِ عملی ہوسکتی ہے۔علم ہے کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔اس میں کئی ایسے عناصر ہیں جو امن کو آگے بڑھنے میں دونوں اطراف سے رکاوٹ پیدا کرینگے۔بصیرت یہی ہے کہ اقتصادی صورتحال کو اچھا بنایا جائے۔اس اَمر کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے کہ سیاستدان باہمی چپقلش کی وجہ سے،بھرپور قومی مفادات پر ضرب نہ لگا سکیں۔وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں ممالک میں سیاست میں اخلاقیات کا لین دین کافی حد تک کم ہے۔بہرحال یہ ایک مختلف بحث ہے۔اس پر بات کرنا اس محدود وقت میں ممکن نہیں ہے۔

ایک نکتہ یہاں ضرور بحث میں آنا چاہیے۔بھارت میں کانگریس ہو یا بی جے پی۔ہمارے ملک کو عدم استحکام اور نقصان پہنچانے کے عمل کو ختم ہونا چاہیے۔اسلیے بھی کہ محدود وسائل کے باوجود ہمارے ملک کا دفاع ناقابل تسخیر بن چکا ہے۔اپنی زبان میں کچھ عرض نہیں کرونگا۔ہندوستان کے ایک دانشور ن سی استھانہ نے 2020 میں ایک کتاب لکھی ہے۔اسکا عنوان National Security and Conventionel Arms Race ہے۔اس نے برملا اعتراف کیا ہے کہ ''ہندوستان کی عسکری مشین پاکستان کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکتی''۔استھانہ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستان کے سیاستدانوں نے پاکستان دشمنی کو اسلیے بڑھاوا دیا ہے کہ دونوں کی ضرورت رہتی ہے۔شائد یہ بات ہمارے سیاستدانوں کیلئے بھی درست ہو۔استھانہ ایک محترم دفاعی تجزیہ کار ہے اور اسے حکومتی معاملات کا وسیع وعریض تجربہ حاصل ہے۔طالبعلم کی حیثیت سے میرا کام فیصلہ پیش کرنا نہیں ہے۔لازم ہے کہ یہ حساس فیصلہ کہ ہندوستان سے تجارت کو فروغ دیا جائے،ہرگز ہرگز معمولی نہیں ہے۔مگر سوال یہ بھی ہے کہ کیا یہ ہماری معیشت کیلئے بہتر ثابت نہیں ہوگا۔اسی نازک نکتہ پر سیاسی جماعتوں اور اداروں کے درمیان منظّم اور فیصلہ کن مکالمہ ضرور ہونا چاہیے۔اگر جرمنی اور فرانس تمام تلخیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے باہمی تجارت کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے؟ مگر اسکا ممکن ہونا حد درجہ مشکل ہے۔دونوں ممالک ہر مسئلہ پر سیاست کر رہے ہیں۔ضرورت تو اس بات کی ہے کہ سیاست نہیں،بلکہ معیشت کی بہتری کیلئے فیصلے کیے جائیں۔سیاست نہیں بلکہ معیشت کی مضبوطی ہمارا نیا مقدر بن سکتا ہے؟ پر شائد اتنی دشمنی میں کون اتنا بڑا اقدم اُٹھانے کی ہمت کریگا؟ شائد کوئی بھی نہیں!

راؤ منظر حیات